ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مقبول اُردو شاعری میں فلمی گیتوں کا حصہ

Part of film songs in popular Urdu poetry

سیّد نبیل حسن شاہ

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

پروفیسر، شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Syed Nabil Hassan Shah

Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad

Dr. Muhammad Ashraf Kamal

Professor, Department of Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad

Abstract:

The intersection of film songs with popular Urdu poetry marks a dynamic fusion of artistic expression within South Asian cinema. This abstract explores the integral role of film songs in showcasing excerpts from renowned Urdu poetry, enriching cinematic narratives with profound lyrical depth and emotional resonance. It delves into how film composers draw inspiration from iconic Urdu poets such as Mirza Ghalib, Josh Malih Abadi and Faiz Ahmed Faiz, incorporating their timeless verses into melodic compositions that captivate audiences across generations. Through an analysis of select film songs, this abstract examines how Urdu poetry transcends its literary origins to become a powerful vehicle for storytelling and cultural dissemination in the cinematic medium. Additionally, it discusses the impact of film songs on popularizing Urdu poetry, fostering a deeper appreciation for its beauty and significance among diverse audiences.

Keywords: Film, Songs, Urdu Poetry, Mirza Ghalib, Josh Malih Abadi, Faiz Ahmed Faiz, Cinema

کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی انسان کو احساسات اور جذبات تحفے کے طور پر ملے۔ انہی جذبات کا اظہار گیت اور شاعری میں ہے۔ شاعری اور گیت اتنے ہی قدیم ہیں جتنی انسانی تاریخ۔ اُردو ادب میں موجود اصنافِ سخن پر فارسی اور عربی کا اثر غالب ہے مگر گیت ہندوستانی روایت کے زیر اثر اُردو شاعری میں شامل ہوا۔ اردو میں گیت، ہندی شاعری کے اثر سے داخل ہوا۔(۱) گیت کے لیے موسیقی کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ہندوستان کی فضا نے گیت کو پروان چڑھایا کیونکہ ہندوستان میں فن موسیقی قدیم زمانے سے ہی موجود اور مکمل تھا۔ رامائن میں "راوان" اور سگریو" دونوں بھائی فن موسیقی میں کامل بیان کیے گئے ہیں۔ گیت اور موسیقی کے ساتھ کو واضح کرتے ہوئے میر اجی لکھتے ہیں۔۔

> "سب سے پہلے آواز بنی، آواز کے اتار چڑھاؤ سے سُر بنے، سُروں کے سنجوگ سے بول نے جنم لیا اور پھر راگ ڈوری میں بندھ کر بول گیت بن گئے۔(۲)

گیت کا تعلق اور موسیقی دونوں سے ہے ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اپنے مزاج میں نسوانیت رکھتا ہے۔ عورت کے دل میں جب محبت جنم لیتی ہے تو وہ اس کا اظہار گیت کی صورت کرتی ہے۔ گیت میں جذبات کی شدت کو سادہ زبان میں پیش کیا جاتا ہے۔ وزیر آغا کے مطابق:

> "گیت مزاجاً نسوانیت کے غنائی اظہار کی ایک صورت ہے۔۔۔ عورت نے مرد کو اپنی طرف ملتفت کرنے کے لیے جو طریق اختیار کیا ہے اسے عورت کے جادو کا نام ملا ہے۔ جادو سے مراد ہی یہ ہے کہ کوئی ایسی کیفیت وجود میں آ گئی ہے جس نے فریق ثانی کی تمام مدافعتی قوتوں کو سلب کر لیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ہے۔اس جادو کو زیادہ فعال بنانے کے لیے عورت نے مرد کی تمام حسیات کو متاثر کیا ہے مثلاً بھڑکیلے رنگوں اور تیز خوشبوں کے استعمال سے اس نے مرد کی باصرہ اور شامہ کو تسکین پہنچائی ہے اور اپنی آواز کے لوچ سے اسی کی سماعت کو۔۔۔ گیت میں عورت کے اسی جادو کا پَرتو ملتا ہے۔(۳)

وزیر آغا کا یہ بیان گیت کو محدود کر دیتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ گیت میں غزل کی طرح دوسرے بہت سارے موضوعات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ گیت صرف عورت تک محدود نہیں، شمیم احمد یوں بیان کرتے ہیں۔

"گیت کی موضوعاتی کائنات بہت وسیع ہے۔ یہ انسان اور انسان کی فطرت، عمل، جذبے، احساس اور اس کے تمام تر خارجی و داخلی مسئلوں سے جڑی ہوئی ہے۔ چناچہ عاشقانہ گیتوں کی کیف و نشاط اور سوز و گداز سے مملو کیفیتوں کے علاوہ دیگر موضوعات پر مشتمل محسوسات کے حامل گیتوں کی بھی اُردو شاعری میں کمی نہیں"(۴)

ہندوستان ہمیشہ سے گیت اور موسیقی کے لئے اہم رہا ہے۔ گیتوں کی ابتدا میں مذہب کا رنگ واضح ہے، جہاں اُردو گیت کی شروعات امیر خسرو سے ہوتی ہے۔ انہوں نے عام لوگوں کے لیے صوفی فکر کے انداز میں، دل کی حالتوں کو بیان کیا۔ یہ دور عشق کی حقیقت اور مجازیت کے درمیان سفر کا بھی ہے، کبھی یہ محبوب کی یاد میں دل کو رنگاتی ہے اور کبھی وصال کے لمحے کی عکاسی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گیت کبھی بھگتی تحریک کے ذریعے عوام کے دلوں میں پہنچتا ہے۔ اردو ادب اور شاعری کے لیے دکن بے حد اہم ہے، وہاں کے بادشاہ ادب کے نمائندہ بنے۔ آج جو اُردو شاعری ہمارے سامنے ہے اس کی پرورش انھوں نے کی۔ یہ بات اُردو شاعری کے لیے تو بڑی مفید ثابت ہوئی مگر وہ ادب، شاعری اور گیت جو عوامی تھے جنھیں لوک ادب کہتے ہیں جن میں گیت زیادہ ہیں وہ کم ہی سامنے آسکے۔ جس سے گیتوں کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جو ہونا چاہیے تھا۔

سوال یہ ہے کہ مقبول شاعری کیا ہے؟ جب تک کوئی چیز کسی معاشرے میں قبول نہیں کی جاتی وہ مقبول نہیں ہو سکتی۔ مقبول شاعری وہ ہے جسے عوامی حلقوں میں قبولیت کا درجہ ملا ہو۔ جسے سماج نے قبول کر لیا ہو، جس پر رائج نظام اور مذہب کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ مقبول شاعری دراصل وہ شاعری ہے جسے دیس نکالا نہیں ملتا اسے اپنا لیا جاتا ہے، جسے قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس خطہ زمین پر مقبول کلام کہلاتا ہے۔ مقبول شاعری دراصل دوام کی شاعری ہے۔ یہ جزو کی شاعری نہیں کل کی شاعری ہے۔ وہ شاعری جس کا خمیر کسی دھرتی سے مل جائے اسے وہاں مقبولیت کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے مغرب میں مقبول گیت، مشرق میں اتنے مقبول نہیں ہوتے۔ طبقہ اشرافیہ میں تو ہوں مگر عوامی سطح پر اس طرح پزیرائی نہیں ملتی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ گیت وہاں کی ثقافت، زبان، رسم و رواج کے حوالے سے لکھا گیا جب کہ یہاں کی ثقافت بھی الگ، زبان بھی الگ رسم و رواج بھی الگ تو اسے ادھر مقبول ہونے میں ناکامی کا سامنا ہو گا۔

گیت جب شاہی دربار سے نکل کر عوامی سطح پر آئے تب اسے ایک نئی پہچان ملی۔ امانت کی اندر سبھا جب تک نواب واجد علی کے صحن میں تھی تو اس کا مزاج الگ تھا کیونکہ نواب واجد علی کے رہس کو دیکھنے کے لیے خاص طبقہ کو ہی اجازت تھی۔ مگر یہی اندر سبھا جب عوامی سطح پر آئی تو اس کو ایک الگ شناخت مل گئی۔ اسی اندر سبھا کو دیکھتے ہوئے پارسی سیٹھوں نے تھیٹریکل کمپنیاں بنائیں اور خوب دھن دولت سمیٹی۔ یہی تھیٹر آگے جا کر فلمی صنعت کے قیام کا باعث بنا اور اسی فلم کو، اسی گیت کو کامیابی ملی جس کا تعلق ہندوستانی معاشرے سے تھا، عوام سے تھا، اس وقت کے مروجہ سماجی نظام سے تھا۔ گیت کا عروج اس وقت ہوا جب وہ فلم کا حصہ بنا۔ گیت نے ہی فلمی صنعت کو عروج دیا اور ساتھ ہی اُردو زبان کا بھی فروغ ہوا۔ فلموں کی شاعری کا بڑا حصہ فلمی تقاضوں کے تحت لکھا جاتا ہے۔ جس میں زیادہ رومان اور ہجر وصال کے مضامین ہوتے ہیں لیکن ان مضامین میں بھی ادبی خصوصیات ہوتی ہیں۔ تمام فلمی گیتوں میں صرف یہ دو موضوعات ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کے علاوہ سماج کے دوسرے موضوعات بھی ہوتے ہیں۔ فلم معاشرے کی عکاس ہوتی ہے جہاں گیتوں میں دل کی بات ہوتی ہے وہاں سماج کے دوسرے رویے کی بھی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ فلمی گیتوں میں تفریح بھی ہوتی ہے ساتھ فکر و فن کی سنجیدہ شعری کوشش بھی ہوتی ہے۔ ناقدین کی نظر میں فلمی گیتوں کو وہ ادبی مقام حاصل نہ ہو سکا شاید یہ اس لیے ہے کہ وہ عوام میں زیادہ مقبولیت حاصل کر لیتے ہیں ۔ فلمی شاعری آسان عام فہم زبان میں ہوتی ہے جو آسانی سے عوام میں مقبول ہو جاتی ہے۔

فلمی صنعت کے ابتدائی برسوں میں سے چند ایک سال نکال کر باقی میں نہ صرف فلموں میں ادبی لوگ آئے، بلکہ فلمی شائقین میں بھی ادبی ذوق موجود تھا۔ وہ فلمی اشتہارات جو اخبارات میں شائع ہوتے تھے ان میں ہیرو ہیروین کے نام اتنے روشن حروف میں نہ ہوتے جتنے شاعروں کے۔ فلمی گیتوں نے اردو شاعری میں اپنا حصہ ڈالا ہے یہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

گیت عوام میں مقبول ہوئے کیونکہ ان میں ادب رنگ موجود تھا۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ بازار میں وہ چیز نہیں بک سکتی جو عوام میں مقبول نہ ہو اور وہی چیز بازار میں عام ہوتی ہے جس کے معیار کا گراف عوام کی پسند کے مطابق ہو۔ لہذا فلمی صنعت کو اپنے وجود کی بقا کے لئے وہ سب کرنا پڑا جس کے متمنی برصغیر کے عوام تھے۔

شروع میں فلموں میں گیت ضرورت کے تحت آئے۔ سرمایہ داروں نے اپنی دولت کو زیادہ کرنے کے لئے گیت کو عوام کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا۔ گیت جب فلموں میں آئے تو ان کی ادبی حیثیت بہت حد تک متاثر ہوئی۔ فلمساز کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ گیت کی شاعری کیسی ہے اُس کا مزاج کیسا ہے، وہ بس اس بات کی طرف دھیان رکھتا تھا کہ اس سے اُسے کتنا فائدہ ہوا ہے، جب پہلی بولتی فلم "عالم آرا کی نمائش ہوئی تو بقول رضا علی عابدی:

> "۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء کو بمبئی کے میجسٹک سینما میں فلم "عالم آرا" لگا دی گئی سینما کے سامنے بھیڑ لگ گئی۔ لوگ سینما کے ملازموں سے پوچھ رہے تھے کہ فلم بھلا کیسے بول سکتی ہے۔ ملازم کہتے تھے کہ خود ہی دیکھ لو، یقین آجائے گا۔ لوگوں کا اشتیاق دیکھ کر اور فلم کی تیاری پر آنے والی بھاری لاگت وصول کرنے کے خیال سے سنیما والوں نے ٹکٹ کے دام دوگنے کر دیئے یعنی دو آنے دے کر جو اگلی بینچوں پر بیٹھا کرتے تھے اب اُن سے چار آنے طلب کیے گئے۔ اوپر سے غضب یہ کہ اس عجوبے کی خاطر ٹکٹوں کی بلیک بھی ہوئی اور چار آنے کا ٹکٹ پانچ روپے میں بکا۔"(۵)

اس سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ سرمایہ داروں کو صرف اپنے سرمائے سے غرض تھی۔ یہی وہ سرمایہ دارانہ سوچ تھی جس نے گیتوں کی شکل بہت تبدیل کر دی۔ شروع کی فلم میں غیر معروف شاعر آئے مگر کچھ عرصے کے بعد اُردو گیت نویسوں اور غزل گو شعراء نے اس میدان میں قدم رکھا۔ خاموش فلموں میں ہندی اور ہندو تہذیب و تمدن کی گہری چھاپ تھی۔ لیکن جب فلم کو آواز ملی تو وہ اُردو ادب کی محتاج ہو گئی۔ اُردو شعراء نے فلمی صنعت اپنا حصہ ڈالنا شروع کر دیا۔ ان شعراء کی وجہ سے فلموں میں گیتوں کا میعار بلند ہو گیا اور وہ عوام میں مقبول ہو گئے۔ فلمی گیتوں کو عوام نے تو پسند کیا مگر وہ ادبی مقام حاصل نہ کر سکے۔ یہ اس لیے ہے کہ شاعری کی دیگر اصناف کو اعلیٰ پائے کی سرپرستی حاصل رہی جب کہ گیت شاہی دربار سے نکل کر سیدھے عوامی سطح پر آ گئے۔ عوام کی سوچوں کے ساتھ اُن کا سفر جاری رہا، عوام جیسا چاہتے تھے وہ ویسے ہی بنتے گئے۔ برصغیر کی عوام امانت کی کی اندر سبھا کو دیکھ چکے تھے۔ اس کے اندر موجود گیتوں کو مقبولیت کی سند عطاء کر چکے تھے۔ رہی سہی کسر پارسی تھیٹر نے پوری کر دی۔ اب یقینی طور پر اس نئی صنعت کو اپنی بقا کے لیے کچھ خاص انداز اختیار کرنا پڑا۔ عوام تھیٹر میں جاندار مکالموں اور گیتوں کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ یہ سب اردو زبان کی وجہ سے تھا۔ جب پہلی متکلم فلم "عالم آرا" پردہ سکرین پر آئی تو اس کی زبان اردو ہی تھی۔ یعنی عوام کی پسند کے مطابق اسے پیش کیا گیا۔

فلموں میں جہاں اردو کے نثری ادب سے استفادہ حاصل کیا گیا وہاں اس طرح اردو کے شعری ادب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا۔ میر اور غالب کے شعروں کو بڑی مہارت کے ساتھ فلمی گیت کا حصہ بنایا گیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ فلمی نغموں کی بنیادی مزاج کی تشکیل میں اردو شاعری کا اہم کردار ہے۔ فلمی گانوں کی تاریخ کا سفر کرنے کے بعد یہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ فلمی گیتوں نے جو عروج حاصل کیا ہے اس کی بنیاد زبان اردو ہی ہے۔ جن شعرا نے فلمی گیتوں میں نام بنایا ان میں آغا حشر کاشمیری آرزو لکھنوی، راجہ مہدی علی خان، قمر جلال آبادی، شکیل بدایونی ساحر لدھیانوی، فیاض ہاشمی، تنویر نقوی، حسرت جے پوری مجروح سلطانپوری خاص طور پر ہیں۔ جوش، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی اور مجروح سلطانپوری جیسے بڑے شاعر بھی آئے اور ان کے گیتوں نے عوام سے مقبولیت کی سند بھی حاصل کیں۔

۱۹۴۴ء میں فلم "من کی جیت" آئی اس فلم کی سب سے بہترین بات یہ رہی کہ اس فلم کے نغمہ نگار جوش ملیح آبادی اور فلمساز ڈبلیو زیڈ احمد تھے۔ فلم کے گانوں نے ہر طرف دھوم مچادی۔ جوش کا قلم شعروں کو نغمے میں پروتا رہا اور شاہکار گیت سامنے آئے۔

"میرے جوبنا کا دیکھو ابھار
پاپی جوبنا کا دیکھو ابھار
جیسے بھنوروں کی گونج
جیسے ساون کی دھوم
جیسے گاتی پھوار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

جیسے ساگر پہ بھور
جیسے اڑتے چکور
جیسے کوئل پکار"(6)

اسی گانے کی زمیں پر فلم "۱۹۴۲ اے لوسٹوری" میں جاوید اختر نے ایک گیت لکھا تھا "اک لڑکی کو دیکھا تو ایسا لگا"۔ جوش کا یہ گیت کافی آزاد خیال تھا، اس وقت کے حساب سے بھی آگے کا تھا۔ یہ گیت مردانہ محفلوں میں زیادہ مشہور ہوا۔ برِ صغیر میں فلم کی آمد سے قبل گیت پارسی ڈراموں تک محدود تھا اور وہ گیت بھی قافیہ ردیف سے عاری، بے وزن، ادب اور موسیقی کی چاشنی سے محروم ہوتے تھے، لیکن جب فلمی صنعت میں شاعروں اور ادیبوں نے قدم رکھا تو فلمی شاعری معیاری ہو گئی۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستانی فلمی صنعت نے اُردو شاعری کو عروج پر پہنچایا۔ بہت سے گیت نگاروں نے کمال کے گیت تخلیق کیے بہت سے شاعروں کی ادب سے رنگی ہوی شاعری نے فلمی دنیا کو عروج پہ پہنچایا۔ ان معروف شاعروں میں سیف الدین سیف، قتیل شفائی، کلیم عثمانی، احمد راہی، منیر نیازی، حبیب جالب، ظہیر کاشمیری، طفیل ہوشیار پوری، ساغر صدیقی، یزدانی جالندھری، تسلیم فاصلی، نے فلمی صنعت کے ساتھ تعلق رکھا۔ علاوہ ازیں، دیگر بڑے شاعروں جیسے، فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی احمد ندیم قاسمی، ابن انشاء، حفیظ جالندھری، صوفی تبسم، حسن نثار اور نذیر ناجی بھی فلمی گانے لکھے۔ ان کی شاعری نے فلموں کو خوبصورتی اور معنویت فراہم کی، اور ان کے گیتوں نے فلموں کو ایک نیا روپ دیا۔

۱۹۵۶ء میں حفیظ جالندھری نے فلم "شکار" کے لیے دو معروف گیت لکھے۔ پہلا گیت "آئی جوانی ہو آئی آج ہم چلے" اور دوسرا گیت "ہم لے چلے ہیں دل شکار کر کے" تھے۔ فیض احمد فیض نے ۱۹۵۹ء میں مشہور فلم "جاگو ہوا سویرا" کے تمام گیت لکھے۔ "جاگو ہوا سویرا" کو مشرقی پاکستان میں اُردو فلموں کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں صوفی تبسم نے فلم "شام ڈھلے" کے لیے چار نغمات لکھے۔ "سو بار چمن مہکا"، "سو بار بہار آئی"، "محبت ایک دولت تھی"، اور "میری مست جوانی لہرائی"۔ اس کے علاوہ، ۱۹۶۶ء میں "انسان" کے لیے بھی چار گیت لکھے گئے۔ "اے خدا بے سہاروں کے خدا"، "ملی ہے نظر سے نظر"، "پیار کا کوئی سہارا نہ رہا غم کے سوا"، اور "اب نہ آنا میری گلیوں میں دغا باز کبھی"۔ ۱۹۷۰ء میں احمد ندیم قاسمی نے فلم "درندہ" کے لیے تین گیت لکھے۔ پہلا گیت "ڈم ڈماڈم باجا ہو"، دوسرا "چوری چوری اکھیوں"، اور تیسرا "دکھیا گھٹاؤ جاؤ پیا کو جا کے بتاؤ ترے بن اس کے علاوہ حبیب جالب اور منیر نیازی نے بھی اعلیٰ فلمی گیت تخلیق کئے دونوں شعراء کے لکھے گئے گیت اگرچہ تعداد میں اتنے زیادہ نہیں تھے۔ قتیل شفائی کے۔۔ ہم بھی تو پڑے ہیں تیری راہوں میں، ستاروں تم تو سو جاؤ پریشان رات ساری ہے، دل دیتا ہے رو رو دہائی کسی سے کوئی پیار نہ کرے، اے دل کسی کی یاد میں ہوتا ہے بے قرار کیوں، تڑپنا بھی ہمیں آتا ہے تڑپانا بھی آتا ہے۔ مشیر کاظمی کے تم زندگی کو فسانہ بنا گئے، چاندنی راتیں، ہم چلے اس جہاں سے، مرجھائے ہوئے پھولوں کی قسم ۔ سیف الدین سیف کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے شاعری اور گیت نگاری کے میدان میں خود کو منوایا بلکہ فلمی گیت نگاری میں بھی وہ مقام حاصل کیا جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ سیف الدین سیف نے فلموں کے سکرپٹ بھی لکھے اور کئی فلمیں بھی بنائیں۔

تھا یقیں آئیں گی یہ راتاں کبھی
تم سے ہوویں گی ملاقاتاں کبھی
جانے۔۔۔ کیا خواباں سہانی سوچیاں
جانے کیوں بجتی رہی شہنائیاں
دیکھ کر مہندی لگے ہاتھاں کبھی
کون کرتا ہجر میں دلداریاں
میرے سپنے میں جلیں انگیاریاں
جھوم کر آئیں جو برساتاں کبھی
آج میرا دل مراداں پا گیا
جس کو چاہا تھا وہ آخر آ گیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ایک سپنا تھیں یہی باتاں کبھی
تم سے ہوویں گی ملاقاتاں کبھی
تھا یقیں آئیں گی یہ راتاں کبھی(۷)

موج لکھنوئی کے "یہ ناز یہ انداز یہ آپ کا دھیرے دھیرے پیار کا بہانہ بن گیا" او میری محبوبہ بتلادو تو کیا ہوا، شباب کیرانوی کے توں جہاں کہیں بھی جائے میرا پیا ریادر کھنا، محبت میں سارا جہاں جل گیا، تو میرے پیار کا گیت ہے، مسرور انور کے، اکیلے نہ جانا ہمیں چھوڑ کر، سوھنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے، تسلیم فاضلی کے کسی مہرباں نے آکے میری زندگی سجادی جو درد ملا اپنوں سے ملا، قدموں میں تیرے جینا مرنا، تجھے پیار کرتے کرتے، ہمارے دل سے مت کھیلو کھلونا ٹوٹ جائے گا۔ حبیب جالب کے رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے، ظلم رہے اور امن بھی ہو کیا ممکن تم ہی کہو، ریاض الرحمن ساغر کے چلو دوریہ سماج چھوڑ دیں، کس منہ سے تیرا نام لوں دنیا کے سامنے، ہو سکے تو میرا ایک کام کرو، خواجہ پرویز کے تم ہی ہو محبوب میرے میرا پیار یاد رکھنا۔

ان تمام فلمی گیتوں میں شاعری کی سب فنی لوازمات ہیں۔ ان گیتوں نے عوام کو تفریح دی اور اُردو ادب کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اُردو شاعری اور مقبول اُردو شاعری دو الگ الگ جہات ہیں۔ دونوں کا ایک راستہ ہونے کے باوجود دونوں کی منزلیں الگ الگ ہیں۔ اُردو شاعری میں جس طرح مقبول عام ادب اور ادب عالیہ کی الگ الگ پہچان ہے اسی طرح فلمی شاعری میں گیت کے مقبول ہونے کی وجوہات صرف شاعری نہیں بلکہ اس گیت کی موسیقی بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، انڈیا بک امپوریم، بھوپال، ۱۹۸۱ء، ص:۱۰۱
۲۔ میرا جی، گیت ہی گیت، ساقی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص:۱۳
۳۔ وزیر آغا، اُردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۲۰۳
۴۔ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، انڈیا بک امپوریم، بھوپال، ۱۹۸۱ء، ص:۱۰۳
۵۔ رضا علی عابدی، نغمہ گر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۳۱
۶۔ ایضاً، ص:۱۲۹
۷۔ سیف الدین سیف، جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص:۸۱

References in Roman Script:

1. Shamim Ahmed, Asnaf –E-SukhanAurSheri Haiatein, India Book Emporium, Bhopal,1981, p.101
2.Mera Jee, Geet hi Geet , Saqi Buk Dipo, Dehli,1944, p. 3
3. Wazeer Agha,Urdu Shairi Ka Mizaaj, Maktaba Alia, Lahore, 1993, p.203
4. Shamim Ahmed, Asnaf –E-SukhanAurSheri Haiatein, India Book Emporium, Bhopal,1981, p.103
5.Raza Ali Abidi, Naghma Gar, Sang Mil Publications, Lahore,2013, p.31
6. Ibid, p: 129
7. Saifuddin Saif , Jab Tairay Shehar Se Guzarta Hon ,Alhamd Publications, Lahore,2007, p.81